OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

ڈاکٹر محمد اقبال کے تعلیمی نظریات کا تحقیقی مطالعہ

A Study of Educational Concepts of Dr Muhammad Iqbal

Dr. Salma Mahmood
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore
Email: dr.salmamahmood@gmail.com

Received on: 16-07-2022 Accepted on: 20-08-2022

Abstract

Dr. Muhammad Iqbal was a legendary personality of British India before the freedom era. No doubt that his epistemology is based on the Quranic epistemology. His interaction with the West made his vision clear towards the solution of the problems of Muslims. His approach towards educational concepts is synthetic. According to him, knowledge can be acquired by senses but its peak in broader sense can be achieved only by religious experience, intuition and prophetic revelation. Self can be strengthened by the force of love. Western education is not enough to fulfil our national needs. He challenges the sole authority of the reason and expresses that absolute authority of reason is leading straight towards atheism and anarchy. Reason is like a tool or torch which may lead to a destination but itself it is not a destination. His role as a reformer created a new sense of renaissance in the Muslims of India. In this article, some of his distinguished concepts about education, reasons and knowledge are being discussed.

Keywords: Iqbal, Islam, Quran, Man, Universe, Reason, Intuition, Love, Education

یہ اعجازِ رسالتِ محمدی ﷺ ہے کہ نازک لمحات اسلامی تہذیب کی پتوار کو سہارا دینے کے لیے ہر دور میں ایسے زعمائے امت پیدا ہوتے رہے جو کتاب اللہ سے راہنمائی لے کر جدید تقاضوں کے مطابق نسخۂ شفاء تجویز کرتے رہے۔ایسے ہی ناموں میں ایک نام ڈاکٹر محمد اقبال (م ۱۹۳۸) کا ہے۔ان کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے خاندان سے تھا۔ان کے جد اعلیٰ قریباً سوا دو سو سال قبل مسلمان ہو گئے تھے۔اُن کی گوت ''سپرو'' تھی۔(1) والد کا نام شیخ نور محمد اور والدہ امام بی بی تھیں۔(2) آپ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔(3) جسٹس جاوید اقبال کے مطابق: اقبالؒ کی ابتدائی طالب علمانہ زندگی پر سید میر حسن (۱۸۴۴-۱۹۲۹ء) کی شخصیت حاوی ہے۔سید میر حسن ایک منور الفکر اہل علم تھے، جو شاگردوں کو مصالح دین اور مصالح دنیا پیش نظر رکھ کر تربیت دیتے تھے۔وہ نہ صرف علوم اسلامی اور تصوف و عرفان سے آگاہ تھے بلکہ علوم جدیدہ، ادبیات، لسانیات اور ریاضیات کے بھی ماہر تھے۔(4) عبد المجید سالک لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۴ء میں سر سید نے پنجاب کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو نئی تعلیم کے حصول کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے کئی تقریریں کیں۔سر سید کو پنجاب میں جن افراد پر اعتماد تھا اور جن کا وہ احترام کرتے تھے، ان میں اقبال کے استاد سید میر حسن بھی تھے۔۱۸۹۵ء میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کا اجلاس لاہور میں ہوا تو اس میں انہوں

نے بھی شرکت کی۔(5)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں قدیم اور جدید کی وہ کشمکش شروع ہوئی جس نے انہیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سر سید احمد خان اور جدت کے حامی اہل مغرب کی سیاسی اور فوجی برتری کے ساتھ اُن کی تہذیبی برتری کے بھی قائل تھے۔ دوسری طرف اکبر الہ آبادی، دیوبند اور ندوہ وغیرہ قدامت کے علمبردار تھے۔ان کے خیال میں فوجی، سیاسی اور صنعتی برتری سے انگریزوں کی تہذیبی برتری ثابت نہیں ہوتی۔ اقبالؒ نے حالی کے اس خیال کو آگے بڑھایا کہ اہل مغرب کے پاس جو خبر ہے وہ انہوں نے مسلمانوں سے مستعار لیا ہے۔اسلام اور سائنس میں تصادم نہیں بلکہ سائنس کو پروان چڑھانے والے ہی مسلمان تھے۔ قدیم وجدید کے نمائندوں ''مسٹر اور ملا'' دونوں کو اصلاح کی ضرورت ہے۔ مقالہ ہذا میں ڈاکٹر محمد اقبال کے تعلیمی نظریات کا اختصاصی مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال کا شمار باقاعدہ طور پر ماہرین تعلیم میں نہیں ہوتا لیکن ان کی ملی و قومی اصلاح کی تڑپ ان کو تعلیم اور تعلیمی نظام کی طرف متوجہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اقبالؒ تعلیم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔آپ کہتے ہیں:

اس دور میں تعلیم ہے امراض امم کی دوا
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم مثل نیشتر (6)

اقبال تعلیم کی اثر آفرینی سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں بخوبی ادراک تھا کہ اگر تعلیم کا قبلہ درست ہو تو یہ مردم ساز قوت ہے۔اس کے ذریعہ سے معاشرہ کے ''مطلوب افراد'' کو وجود میں لانا ممکن ہے

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالیہ ہو تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر (7)

ڈاکٹر محمد اقبال نے تعلیم کے عملی پہلوؤں کے بارے میں زیادہ تو نہیں لکھا لیکن ان کے افکار واشعار سے ایک واضح نظام تعلیم متشکل ہوتا ہے جس پر ایک مدرسۂ تعلیم کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ جس طرح فلسفہ میں اقبال یونان اور دیگر قدیم فلسفوں کے مقلد نہیں، اسی طرح اقبال اپنے فلسفۂ تعلیم میں عقل پسندوں (Progressivism)، وجودیوں (Existentialists)، متشککین (Skepticism)، مادیین (Materialism) اور نتائجیت (Pragmatism) میں سے کسی کی پیروی نہیں کرتے۔ بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ: ''ان کا اپنا ایک مستقل طریقہ اور مخصوص نظام فکر ہے۔''(8)

کسی بھی فلسفۂ تعلیم کا آغاز بنیادی طور پر تصورِ حقیقت، تصورِ کائنات اور تصورِ انسان سے ہوتا ہے۔ دیگر مسلم مفکرین کی طرح اقبال کے ہاں تصورِ حقیقت یا اس کائنات کی حقیقت اصلیہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بزرگ و برتر ہے۔ اقبال کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایک سکونی اصلیت نہیں

بلکہ ایک حرکی میلان ہے۔اس نے تمام مظاہر اور مخلوقات اپنے طور پر تخلیق کیے ہیں۔ان کے نزدیک یہی قرآن کا تصور الہیت ہے۔[9]
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ﴾[10]

ڈاکٹر محمد اقبال توحید کے تصور کو محض اللہ تعالیٰ کو مان لینے تک محدود نہیں سمجھتے۔آپ توحید کی اثر آفرینی سے بخوبی واقف ہیں۔آپ کے ہاں یہ ایک ایسی زندہ قوت ہے جو حیاتِ انسانی کو بدلنے پر قادر ہے۔آپ تصورِ توحید کی تجرید کرتے ہوئے اسے تعلیم سمیت زندگی کے مختلف پہلوؤں تک پھیلاتے ہیں۔کہتے ہیں:

The new culture finds the foundation of world unity in principle of Tauhid. Islam, as a polity, is only a practical means of making this principle a living factor in the intellectual and emotional life of mankind. It demands loyalty to God, not to throne.[11]

اسلام کے تصورِ توحید کا اثر آفرین عقیدہ انسان کے افعال اور کردار پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔توحید کے اقرار باللسان کا اگلا مرحلہ تصدیق بالقلب ہے جو فعالیت سے خالی نہیں۔قول و عمل میں اسی کو محدثین نے ایمان کا گھٹنا بڑھنا کہا ہے۔[12]اقبال موجودہ مسلمانوں کے کردار اور زندگی میں توحید کی فعالیت اور عملیت کے فقدان پر اپنے کرب کا اظہار یوں کرتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر وحدت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا، نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام[13]

ڈاکٹر محمد اقبال کے نزدیک: یہ کائنات کوئی جامد کائنات نہیں، نہ کوئی مصنوع جس کی تکمیل ختم ہو چکی اور جو بے حرکت اور ناقابل تغیر و تبدل ہے۔برعکس اس کے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے باطن میں ایک نئی آفرینش کا خواب پوشیدہ ہے۔

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَـلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ[14]

اسی خیال کو بالِ جبریل میں یوں بیان کیا گیا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون[15]

جہاں تک کائنات میں انسان کے مقام کا تعلق ہے تو ڈاکٹر محمد اقبال انسان کو مجبور سمجھنے کے تصور کے خلاف ہیں۔ان کا خیال یہ ہے کہ انسان اس کائنات میں اپنے اعمال کے ذریعے اپنے تقدیر متشکل کرنے کے مقام کے ساتھ نوازا گیا ہے۔وہ کہتے ہیں: اپنی صلاحیتوں میں

نہایت عمدہ توافق اور تطابق کے باوجود انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا درجہ مدراج حیات میں بڑا پست ہے اور اسے قدم قدم پر متزاحم قوتوں نے گھیر رکھا ہے۔ انسان ہی کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ عالم کی گہری سے گہری آرزوؤں میں شریک ہو جو اس کے گرد و پیش موجود ہیں اور اپنی علیٰ ہذا کائنات کی تقدیر خود متشکل کرے۔ کبھی فطری قوتوں سے توافق پیدا کرتے ہوئے، کبھی پوری قوت سے کام لے کر اپنی غرض و غایت کے مطابق ڈال کر اس لحظہ بلحظہ پیش رس اور تغیر زا عمل میں خدا بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی پہل انسان کی طرف سے ہو۔ (16)

ڈاکٹر اقبال کی شاعری میں بھی بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ انسان ایک باارادہ اور بااختیار مخلوق ہے۔ اسی لیے تو وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند (17)

اقبال جبر کے روایتی نظریے کے مخالف ہیں۔ ان کے خیال میں جب مومن اطاعتِ الٰہی کی پابندی کرتا ہے تو گویا وہ خودی کی پہلی گزرگاہ سے سفر کرتا خودی کی بقیہ منازل یعنی ضبطِ نفس اور تسخیر کائنات کے مراحل طے کرتا ہے اور آخر کار اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ خود تقدیر یزداں بن جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے ؟ (18)

کائنات میں انسان کے مقام مرتبے کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کائنات کے قدیم ساکن تصور کو ردّ کر کے وحدت نسل انسانی کا نظریہ دیتا ہے۔ رنگ و نسل کے تصور کی نفی بھی اسی لیے ہے کہ نوعِ انسانی کو اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ اس کی زندگی کا اصل مبداء روحانی ہے۔

As a cultural movement, Islam rejects the old static view of universe. As an emotional system of unification, it recognizes the worth of individual as such, and rejects blood relationship as a basis of human unity. The search for pure psychological foundation of human unity becomes possible only with the perception that all human life is spiritual in its origin. (19)

ذرائع علم: تاہم یہ روحانی مبداء ایسا نہیں ہے جو صوفیاء کی طرح مادی مبداء کو مکمل نظرانداز کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے ہاں تلاش حقیقت و علم کے سرچشمے یعنی ذرائع علم دو ہیں: ایک وجدان اور دوسرا حواس۔ (20) حالانکہ اس سے قبل یونانیوں کا خیال تھا کہ سچا علم صرف عقل کے ذریعے سے ہاتھ آتا ہے اور جدید سائنس بالعموم حواس اور تجربہ کے ذرائع پر بھروسہ کرتی ہے لیکن اقبال وجدانی علوم کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ انہیں انسان کے داخلی ذرائع علم سمجھتے اور ''عشق'' کا نام دیتے ہیں۔ انہیں وہ محض وحی اور الہام پیغمبرانہ تک محدود نہیں سمجھتے

بلکہ صوفیانہ مشاہدات کو بھی قابل قبول سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدہ تصورات[21]
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی[22]

وہ کہتے ہیں کہ حقیقت کا مشاہدہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[23] اس آیت میں حصول علم کے ذریعوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک ذریعہ تو سمع و بصر ہے اور دوسرا ذریعہ انسان کا قلب ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ سمع و بصر کو چھوڑ کر کلی طور پر قلب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور ایسا بھی نہ ہو کہ قلب سے غافل ہو کر یورپ والوں کی طرح بالکل سمع و بصر کے ہو رہو۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات قلب پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا بلکہ ساری ایشیائی تہذیب کا خاصہ یہی ہے۔[24]

ادراک بالحواس، حسی مشاہدہ اور تجربہ کی آخری حد سائنس ہے۔ اقبال ایک طرف تو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید ادراک بالحواس اور حسی مشاہدے کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور دوسری طرف سائنس، ادراک بالحواس کو کل حقیقت سمجھنے کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: علوم طبیعی کی مثال زاغ و زغن کی ہے جو فطرت کے مردے پر جھپٹتے اور اس کا ایک آدھ ٹکڑا نوچ لے جاتے ہیں۔ علوم طبعی یا سائنس کا تو خاصہ ہی یہ ہے کہ جزئی ہو۔ اس لیے باعتبار اپنی ماہیت اور وظیفے کے اس میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ حقیقت کا کوئی واحد اور کامل و مکمل نظریہ قائم کر سکے۔[25]

گویا اقبال جدید طبعی علوم کی مذمت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مکمل ادراک حقیقت نہیں کر سکتے۔ جزئی انکشاف ان کا خاصہ ہے تاہم صوفیانہ مشاہدات ان کے نزدیک دیگر مشاہدات کی طرح ہی معتبر ہیں ان کو محض اس بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان مشاہدات کی ابتدا ادراک بالحس سے نہیں ہوئی۔[26] حواس کی مدد سے حاصل کردہ علوم کو وہ علم یعنی عقل و فکر کے مدّون کردہ علوم کہتے ہیں۔ ان میں سے قرآن مجید نے فطرت اور تاریخ کی طرف خوب توجہ دلائی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

"لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا (من جملہ دوسرے ذرائع کے) قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سر چشمے اور ہیں، ایک عالم فطرت، دوسرا عالم تاریخ...... جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا۔ قرآن پاک کے نزدیک شمس و قمر، یہ سایوں کا امتداد، یہ اختلافِ لیل و نہار، یہ رنگ اور زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد۔ حاصل کلام یہ کہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے۔ حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان پر غور و تفکر سے کام لے۔"[27]

اقبال پورا ایقان رکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے انسان کو اپنے حواس سے کام لینے اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر پر ابھارنے کے لیے

جو بار بار زور دیا، تو اسی روش نے مسلمانوں کو مشاہداتی علوم کی طرف راغب کیا جو جدید سائنس کی بنیاد ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے فطرت کے مشاہدے میں غور و فکر کی ترغیب دلائی تو اس لیے کہ ہم اس حقیقت کا شعور پیدا کریں جس کی عالم فطرت کو اس نے ایک آیت ٹھہرایا ہے۔"(28)

اقبال کے ہاں تاریخ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ تاریخ ہی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ذات الٰہیہ کے ادراک کے لیے انسان ہمیشہ محسوسات اور مدرّکات کے دیگر عوالم کی بجائے اپنے مذہبی احساسات کی تاریخ سے رجوع کرتا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اتنا ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذاتِ الٰہیہ کے ادراک میں بنی نوع انسان نے رُخ کیا تو سب سے پہلے مذہبی مشاہدات کا، محسوسات اور مدرکات کے دوسرے عوالم کی طرف۔"(29)

اقبال تاریخ کو اہمیت اس لیے بھی دیتے ہیں کہ وہ مستقبل کی تعمیر کے لیے مدد و معاون ہے۔ وہ ماضی پرست نہیں، انہوں نے علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میں ان لوگوں میں سے نہیں جو صرف اپنے ماضی سے محبت کرتے ہیں۔ میں تو مستقبل کا معتقد ہوں، مگر ماضی کی ضرورت مجھے اس لیے ہے کہ میں حال کو سمجھوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آج دنیائے اسلام میں کیا ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ (طلبہ علی گڑھ مسلم کالج) ماضی کو سمجھیں۔ چونکہ ہم جدید تہذیب اور شائستگی کے اصولوں سے ناواقف ہیں، اس لیے ہم جدید کو حاصل کرنے میں دیگر اقوام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"(30)

اگر سرسری مطالعہ کیا جائے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اقبال نے عقل کو بڑی مذموم شے خیال کیا ہے۔ تاہم گہرا مطالعہ اس غلط فہمی کو بخوبی رفع کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں عقل کی مذمت ملتی ہے۔ تاہم اقبال نے یہ مذمت کیوں کی، تو بقول ڈاکٹر سید عبداللہ اس کی فہرست یوں بن سکتی ہے:

۱۔ زندگی کی کل اصل میں عشق (جوشِ حیات+آرزو+یقین+ذوق تسخیر) سے چلتی ہے۔ عقل اس کاروبار میں محض کارندہ ہے۔ اس کو سب کچھ سمجھنا غلطی ہے۔

۲۔ عقل حقیقت کا کلی ادراک نہیں کر سکتی۔ حقیقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھ سکتی ہے۔ پس جزوی ادراک کر سکتی ہے۔ اس کو علم و ادراک کا واحد سرچشمہ سمجھنا غلطی ہے۔

۳۔ چونکہ عقل حواس خمسہ کی مدد سے نتیجے اخذ کرتی ہے اس لیے اس کے نتیجے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔(31)

اقبال کے ہاں حیات کل ہے جس کے اجزاء کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان کا تصور علم امتزاجی ہے (Synthetic) یعنی اس میں خدا، انسان اور کائنات کو ایک کلی حیثیت سے دیکھنا ضروری ہے اور یہ کام نہ عقل کر سکتی ہے نہ حِسّی اور تجرباتی علوم۔ اس سلسلے میں عقلی و حسی علوم کی تمام تر اہمیت کے اقرار کے باوجود اقبال انہیں انسان کے خارجی ذرائع علم سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں اصل اہمیت داخلی ذرائع یعنی وجدانی علوم (عشق) کو حاصل ہے۔ وجدانی علوم جنہیں وہ عشق کا نام دیتے ہیں، اس میں وحی اور الہام پیغمبرانہ کے علاوہ صوفیانہ مشاہدات کو بھی وہ

قابل قبول سمجھتے ہیں۔اقبال کہتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین، بتکدۂ تصورات [32]

اقبال کے ہاں عشق اور عقل کی آویزش کا تصور بھی ملتا ہے اور موازنہ بھی۔مادی حسی علوم کی عظمت کو تسلیم کرنے کے ساتھ وہ انہیں مادہ سے پرے دیکھنے سے قاصر پاتے ہیں۔خدا کا ترجمان اور خودکا رازدان بننے کے لیے عشق کا دامن ہی تھامنا پڑتا ہے:

خرد سے روشن راہ و بصر ہے
خرد کیا ہے؟چراغ راہ گزر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ راہ گزر کو کیا خبر ہے [33]

گویا اقبال کے ذرائع علم کا تصور جدید مفکرین اور قدیم حکماء سب سے زیادہ امتزاجی اور منفرد ہے۔وہ روایتی ذرائع علم کی بجائے اپنا منفرد نظریہ پیش کرتے ہیں۔قدیم مسلمان مفکرین اور اقبال میں ایک بڑا فرق استدلال کا ہے۔اقبال کا طرزِ استدلال زمانی ضروریات اور اثرات کی وجہ سے سائنسی ہے،ان پر قدیم کا معقولاتی انداز غالب نہیں۔وہ زندگی کو محض مادے تک محدود نہیں سمجھتے کہ سائنس،حواس اور تجربہ کی حدوں سے آگے ہی نہ بڑھا جائے اور نہ ہی وجدان اور وحی کو فکر کے عنصر سے الگ سمجھتے ہیں۔

مقاصد تعلیم: جہاں تک مقاصد تعلیم کا تعلق ہے تو اقبال کے نزدیک مقاصد زندگی بہت اہم ہیں اور زندگی کے مقاصد ہی تعلیم کے مقاصد ہونے چاہیے۔وہ بار بار مردِ حُر، مردِ مومن یا درویش کا تذکرہ کرتے ہیں۔تعلیم و تعلّم کا مقصد ایسے ہی مردانِ کار کا حصول ہے جو خودی کے مراحل طے کر کے اپنے ماحول اور معاشرہ میں انقلابی تبدیلیاں لائیں۔اقبال کے ہاں مقاصد تعلیم و غایت زندگی درج ذیل ہیں:
روح انسانی کی تشکیل و تکمیل، تربیت واستحکام خودی، تسخیر آفاق و انفس [34] ملت بیضا کا استحکام و تنظیم۔[35]

قدیم مسلمان حکماء اور ماہرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق غایت علم یا مقصد تعلیم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً خود شناسی، خدا شناسی، حصولِ کمال یا انسانیت کی معراج کے شرف کو پالینا وغیرہ۔بہت سے حکمائے اخلاق و تصوف کے نزدیک فوز فلاح، خیر اور سعادت کا حصول ہی غایت علم ہے۔شاہ ولی اللہؒ نے سعادت کے حصول کو علم کی غایت قرار دیا۔[36] تصورِ فوز فلاح اور سعادت کا جو تصور مسلمانوں کے ہاں مروج رہا۔اس کا تعلق آخرت اور فرد سے گہرا ہے لیکن اجتماعی زندگی کو غایت علم و اخلاق کا موضوع بنانا قریب قریب ناپید ملتا ہے غالباً اقبال اولین مفکر ہیں جو تمدنی مصالح اور اجتماعیت کو اہمیت دیتے ہیں۔بقول:

"اقبال کے ہاں زمانے میں تمدنی ضروریات مختلف تھیں۔اجتماعیت اور تمدنی مصالح کو مسلم معاشروں میں ثانوی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اقبال نے اسی رجحان پر حملہ کیا ہے اور مسلمانوں کو "لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کے نصب العین کے لیے کام کرنے اور اس کی طرف بڑھنے کی

دعوت دی ہے۔ان کے نزدیک علم کی اصل غایت یہی ہے کہ مسلمان اجتماعی طور پر اس استعداد کے مالک بن جائیں، جس سے دین کی خاطر قوت اور غلبہ حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ اس استعداد میں فرد کا استکمالِ نفس بھی شامل ہے۔"(37)

مادی مقاصدِ تعلیم کی نفی: آج ہمارے نظام تعلیم میں جتنی خرابی محض ڈگری و ملازمت کے حصول کے نظریے نے پیدا کی ہے۔اقبال نے ایک صدی قبل اس طرف مذمتی اشارہ کر دیا تھا۔اگر تعلیم اعلیٰ فکر اور اخلاقی تربیت کی بجائے محض روزی کمانے کی قابلیت کے حصول کا آلہ بن جائے تو محض مادی مفادات کا حصول، اخلاق عالیہ کی نفی کرتا ہے۔یہ سراسر روحانی پستی کا راستہ ہے۔اقبال کہتے ہیں:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا

جس نے قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش(38)

مادی اور سیکولر تعلیم کی بجائے وہ دینی اور اخلاقی تعلیم کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں اس امر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درس گاہوں میں مذہبی تعلیم ہونی چاہیے......یورپ کا خالصتاً دنیوی طریق بڑے تباہی آمیز نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔میں نہیں چاہتا کہ میرا ملک بھی ان تلخ تجربات سے دوچار ہو۔یہ امر صاف ظاہر ہے کہ باشندگانِ ایشیا، یورپ کے خالص مادی رویے کو فراموش نہیں کر سکتے۔ہمارے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ روحانی اور مادی امور کو کس طرح ایک جگہ جمع کیا جائے۔"(39)

جدید مغربی تعلیم پر انہیں بڑا اعتراض یہی تھا کہ اس کے مقاصد سراسر مادی اور معاشی ہیں۔یہ ضمناً تو کسی کامیاب نظام کے اثرات ہو سکتے ہیں لیکن ان کو مقصد و منتہیٰ بنا لینا درست نہیں۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں

جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو(40)

اقبال کی تعلیم سے گہری دلچسپی تھی کہ ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں محمد نادر شاہ افغانستان کی طرف سے وہ دعوت پر سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کے ساتھ بطور شاہی مہمان پہنچے تاکہ وزارتِ معارف کو کابل میں ایک یونیورسٹی قائم کرنے اور تعلیمات کو جدید اصول پر منظم کرنے کا مشورہ دیں۔(41)

حاصل بحث یہ ذرائع علم اور غایت علم کے بارے میں اقبال کے نظریات دیگر مفکرین اور حکماء کی نسبت منفرد ہیں۔ایک صدی گزرنے کے بعد اقبال کے امتزاجی و منفرد طرزِ استدلال سے ہم راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

References

(1) Javaid Iqbal, Zinda Rud (Lahore, Sung e Meel Publications,2004) Vol:1, P:21,26
(2) Ibid, Vol:1, P:32,40
(3) Ibid, Vol:1, P:51
(4) Ibid, Vol:1, P:83
(5) Salik, Abdul Majeed, Zikr e Iqbal (Dehli, Chaman Book Depot, ND) PP:327,328

(6) Muhammad Iqbal, Allama, Bang e Dra, (Kuliat e Iqbal), Musalman aue Jadid Taleem, (Lahore, Iqbal Academy,1990) P:256
(7) Muhammad Iqbal, Allama, Zerbe Kaleem (Kuliat e Iqbal), Naseehat, (Lahore, Iqbal Academy, 1990) P:16
(8) Syed Abdullah, Dr, Iqbal ka Madrusa e Taleem from Masaeel e Iqbal (Lahore, Maghrebi Pakistan Urdu Academy, 1987) P:509
(9) Dr Muhammad Iqbal, Tashkeel e Jadid Ilahiyat e Islamia, Translator Syed Nazir Niazi (India, Ishrat Ali Nasri for Islamic Book centre,1992) Lecture 2,3
(10) Al Rahman,55:29
(11) Muhammad Iqbal, Dr, Reconstruction of Religious thoughts in Islam, (Dodo Press & its Licensor,1930) P:176
(12) Ibn e Hajar al Asqalani, Ahmed Bin Ali, Fathul Bari (Riyadh, Dar us Salam,2000) Kitabul Iman, vol:1, P:64
(13) Muhammad Iqbal, Allamah, Zerbe Kaleem (Kuliat e Iqbal), Naseehat, (Lahore, Iqbal Academy,1990) P:37
(14) Tashkeel e Jadid Ilahiyat e Islamia, Translator Syed Nazir Niazi, P:56
P:40,Bal e Ghibreel(15)
(16) Tashkeel e Jadid Ilahiyat e Islamia, P:58
(17) Zerbe Kaleem (Kuliat e Iqbal) Ehkam e Ilahi, P:78
(18) Bal e Ghibreel (Kuliat e Iqbal), P:60
(19) Reconstruction of Religious thoughts in Islam, P:175
(20) Tashkeel e Jadid Ilahiyat e Islamia, Comments by Syed Nazir Niazi, P:322,323
(21) Bal e Ghibreel (Kuliat e Iqbal), P:115
(22) Bang e Dera(Kuliat e Iqbal), P:294
(23) Al Nahal,16:78
(24) Muhammad Rafiq Afzal, Guftar e Iqbal (Lahore, Idarah Tehqiqat E Pakistan, 1977) P:24,25
(25) Tashkeel e Jadid Ilahiyat e Islamia, Translator Syed Nazir Niazi, P:102
(26) Ibid, P:73
(27) Ibid, P:222
(28) Ibid, P:61
(29) Ibid P:62
(30)Guftare Iqbal, P:104
(31)Syed Abdullah, Dr, Ejaz e Iqbal (Lahore, Sung e Meel Publications, 2004) P:345
(32) Bal e Ghibreel (Kuliat e Iqbal), P:115
(33) Ibid, P:86
(34)Khalifa Abdul Hakeem, Dr, Fikr e Iqbal (Lahore, Bazm e Iqbal,2013) P:144
(35) Muhammad Iqbal, Allamah, Millet e Baiza per aik Imrani Nazr, Translator Molana Zafar Ali Khan (Lahore, Iqbal Academy, ND) P:8
(36) Shah Walli Ullah, Hujjatullah hil Baligha, (Lahore, Kutab Khana Shan e Islam, ND) Translator: Khalil Ahmed, vol:1, P74-79
(37) Ejaz e Iqbal, P:557
(38) Zerbe Kaleem, Madrasah, P: 96
(39) Guftar e Iqbal, P:224
(40) Zerbe Kaleem (Kuliat e Iqbal), P:172
(41) Ziker e Iqbal, P:18